ملّتِ اسلامیہ کا فقہی سرمایہ

(ڈاکٹر معروف دوالیبی پروفیسر قانون اسلامی لا، کالج، شام)

عہدِ صحابہؓ کے بعد امت میں علوم وفنون کی تدوین کی جو حیرت انگیز تحریک اُٹھی، اُس نے اگرچہ زندگی کے ہر گوشے پر علوم ومعارف کے انبار لگا دیئے۔ مگر امت کو سب سے زیادہ جس شعبۂ علم سے فائدہ پہنچا وہ اسلامی قانون کا شعبہ ہے۔ فقہائے اسلام نے اس شعبے میں جو تحقیقی و تالیفی سرگرمیاں دکھائی ہیں اور قانونی مواد پر مشتمل جو قابلِ قدر اور باافراط ذخیرہ مستقبل کی نسلوں کی طرف منتقل کیا ہے اُس کی نظیر دوسری کسی قوم کی تاریخ سے مہیا نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی دوسری قوم کا علمی وقانونی ورثہ اس کے مقابلے میں رکھا جاسکتا ہے۔ شعبۂ قانون کی ترقی وشادابی اور اس سے علماء کا غیر معمولی شغف دراصل تین بنیادی عوامل کا رہینِ منت ہے۔

پہلا بنیادی عامل اجتہاد ہے۔ شریعت اسلامی نے شروع ہی سے اجتہاد کو قانون کے مآخذ اور مصادر کے دائرے میں شامل کر لیا تھا۔ اور اس کے اختیارات اسلامی حکومت کی آزاد عدلیہ اور فقہائے اسلام کی خداداد صلاحیتوں کو تفویض کر دیئے تھے۔ شریعت اسلامی کا یہ فیصلہ فطری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے تحقیق وتدقیق اور بحث و نظر کے راستوں کو کھولنے کا بہت بڑا محرک ثابت ہوا۔ اور اس نے ہر فقیہ اور ہر قانون دان کے اندر یہ ولولہ پیدا کر دیا کہ وہ اپنے اجتہادات اور نتائج تحقیق کو جامۂ تدوین و ترتیب پہنائے۔ اجتہاد اور قیاس کی بساط لپٹ جانے کا دور بہت بعد کا ہے۔ جس دور کی بات ہم کر رہے ہیں —— اور وہی دراصل ہمارے فقہی وقانونی سرمائے کے توسّع کا دور ہے —— اس وقت علماء اور حاملینِ فقہ کی جانب سے کبھی یہ کوشش نہیں کی گئی

کہ وہ اجتہاد کے دروازے پر تالے چڑھا دیں۔ اور لوگوں کو صرف ایک مخصوص مذہب کی پیروی پر مجبور کریں۔ اور اُس علمی تحریک کے روز افزوں پھیلاؤ کو روک دیں جس کے برگ و بار سے آج تک امت نہ صرف محظوظ ہو رہی ہے بلکہ دوسری اقوام کے سامنے اُس کا سر فخر بلند ہے۔ اس کے برعکس ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی وقت "وحدتِ مذہب" کا خیال نوکِ زبان پر لایا ہے تو خود فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے اس کی دو بیّن مثالیں موجود ہیں:-

۱۔ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد عباسی خلیفہ منصور جب حج کو گیا تو وہاں امام مالک سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس وقت منصور نے مجھ سے کہا: "میں نے پختہ نیت کر لی ہے کہ آپ کی تصنیف (مؤطا) کی نقلیں کروا کر مسلمانوں کے ہر شہر میں ایک ایک نقل بھیج دوں اور حکم جاری کر دوں کہ لوگ اس کے احکام پر عمل کریں اور اس کے سوا کسی کی طرف رجوع نہ کریں۔" میں نے کہا: امیر المومنین! آپ کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ لوگوں کے اندر پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے اقوال جاری و ساری ہیں۔ ان کی زبانوں پر مختلف احادیث کا چرچا ہے۔ اور ہر گروہ اپنے انہی احکام و فتاویٰ پر قائم ہے جو صحابۂ کرام سے وراثتہً اُس تک پہنچے ہیں۔ ایسی حالت میں لوگوں کے اختیار کردہ مسلک سے تعرّض کرنا مناسب نہیں ہے۔"

۲۔ امام مالک ہی سے ایک دوسری روایت ہے جسے ابونعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "ہارون الرشید نے مجھ سے مشورہ طلب کیا کہ وہ چاہتا ہے کہ مؤطا کو خانۂ کعبہ میں آویزاں کرے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اس کی پیروی پر مجبور کرے۔ لیکن میں نے جواب دیا کہ "ایسا نہ کرو، خود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر جزئیات و فروعات میں اختلافات برپا تھا۔ اور وہ اسی حالت میں مختلف شہروں میں پھیل گئے اور اُن میں سے ہر شخص راہِ صواب پر تھا۔"

دوسرا بنیادی عامل، جو ہمارے قانونی اور تشریعی ذخیرے کے اندر تعجب خیز فراوانی اور بہتات کا موجب ہوا ہے، یہ تھا کہ اسلامی سلطنت کے وسیع و عریض اطراف میں بیک وقت اجتہادی قوتیں سرگرم عمل تھیں۔ اور اندلس سے لے کر حدودِ چین تک مجتہدین کی مجالس درس پھیلی ہوئی تھیں۔ چونکہ ہر خطے کے باشندے جُدا جُدا عادات و مزاج رکھتے تھے۔ ہر ایک کی اقتصادی و تمدنی ضروریات دوسرے سے مختلف تھیں، اس وجہ سے ہر خطے کے لوگ لاتعداد ایسے مسائل و معاملات سے دوچار تھے جن کے بارے میں کتاب اللہ یا سنتِ رسول سے اُن کے پاس کوئی رہنمائی نہ تھی۔ چنانچہ وہاں کے علماء کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسے مسائل و معاملات کے بارے میں اپنی اجتہادی بصیرت سے کام لیں اور کتاب و سنت سے ان کے احکام مستنبط کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر خطہ میں تخریجِ احکام اور استنباطِ مسائل کا عمل جاری ہو گیا اور اس طرح عالمِ اسلامی کے ہر بڑے شہر میں فقہ اسلامی کا مرکز وجود میں آگیا۔ حدودِ چین کی طرف افغانستان، ایران میں نیشاپور، عراق میں بغداد، کوفہ اور بصرہ، شام میں دمشق اور حمص، حجاز میں مدینہ اور مکہ، مصر میں فسطاط، تونس میں قیروان، اندلس میں قرطبہ، غرناطہ اور طلیطلہ کے تاریخی شہر ائمۂ مجتہدین اور بالغ نظر مقننین کے وجود سے مالا مال رہے ہیں۔ ان عواصم (CAPITALS) کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں کی تعداد احاطۂ شمار سے باہر ہے جہاں مدتِ مدید تک تحقیقات و تخریجات کے چشمے اُبلتے رہے ہیں اور امت کی کھیتی کو سیراب کرتے رہے ہیں۔

اسی طرح فقہی ثروت میں اضافے اور ازدیاد کا باعث حج کا عالمگیر اجتماع بھی تھا۔ دورِ اجتہاد میں علماء کی معتد بہ تعداد اسلامی سلطنت کے اطراف و اکناف سے جمع ہو کر ہر سال حج کے لیے آتی۔ اور اس سے مکہ اور مدینہ میں سال بہ سال علمی کانفرنس کا انعقاد ہوتا رہتا تھا۔ جس میں ہر صاحبِ علم اپنے اپنے علمی افکار، اجتہادی آراء اور اپنے ملک کے پیش آمدہ مسائل دوسروں کے سامنے رکھتا تھا۔ ان پر تبادلۂ خیالات ہوتا۔ مذاکرات و مباحثے

ہوتے۔ ایک خطہ کے علماء کو دوسرے خطے کے علماء کے خیالات و آراء سے مستفید ہونے اور ہر ایک کو اپنے اپنے حالات کے مطابق مسائل و احکام اختیار کر لینے کا موقع ملتا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسی عالمگیر سالانہ علمی کانفرنسیں، جو حج کے طفیل منعقد ہو جایا کرتی تھیں، کتنے عظیم اثرات کی حامل ہوتی تھیں۔ اور انھوں نے مجتہدانہ دقت رسی اور فقہی تالیف و تصنیف کی تحریک کو فروغ دینے میں کتنا حصہ لیا ہے؟

ان تین اساسی محرکات کے فیض سے مسلمان قوم کے اندر اسلامی قانون کے لٹریچر کی بڑی بڑی الماریاں وجود میں آگئیں۔ ان الماریوں میں مشرق سے لے کر مغرب تک کی گوناگوں اجتہادی صلاحیتوں، تفقہ و استنباط کے نتھرے ہوئے ذوق اور تشریع و تقنین کے ملکہ سے بہرہ مند طبائع کے نتائجِ تحقیق، جنھیں ہم موجودہ اصطلاح میں قانونی نظائر سے تعبیر کرتے ہیں، مجموعوں کی شکل میں موجود ہیں۔ اور صرف ایک ملک میں نہیں، بلکہ قدیم دنیا کے تینوں براعظموں میں ان جواہرات کی بہتات ہے۔ ان مجموعوں میں جس کثرت کے ساتھ احکام و مسائل کو جمع کیا گیا ہے اور ان پر جس قدر سیر حاصل اور ہمہ پہلو بحثیں کی گئی ہیں اُس کی نظیر دنیا کے کسی قانونی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ اس قانونی لٹریچر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اگرچہ یہ مختلف ممالک کے مقننین اور اربابِ اجتہاد کی کاوشوں پر مشتمل ہے اور مختلف طبائع اور متضاد ذوق اس کی تخلیق کرتے رہے ہیں، بایں ہمہ آج ہمارے سامنے وہ اس صورت میں ہے کہ گویا یہ ایک ہی دارالضرب کے سکے ہیں اور ایک ہی کاریگر کے ہاتھ نے ان کی تراش خراش کی ہے۔

جگہ کی قلت میرے راستے میں حائل ہے ورنہ میں کتب خانۂ اسلام کی کم از کم ان اہم اور نفیس ترین کتابوں میں سے قارئین کرام کو روشناس کراتا جو آج تک ہمارے عظیم المرتبت علماء کے قلم سے نکلی ہیں۔ اس لیے میں اس خیال سے قطع نظر کر کے صرف یہ بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ یہ کتب خانہ ترتیب و تدوین اور موضوعِ بحث کے لحاظ سے کتنی اقسام پر مشتمل ہے۔

تمام فقہی کتابوں اور قانونی مجلّوں کو نوعیتِ ترتیب کے لحاظ سے ہم سات قسموں میں

تقسیم کر سکتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم میں وہ مجموعے شامل ہیں جن میں احکام کو احادیث و آثار کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کی ترتیب احکامِ فقہیہ کی ترتیب کے لحاظ سے رکھی گئی ہے اور انہیں ابواب و فصول کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اور بعض ابواب کے آخر میں مؤلف نے احادیث و آثار کے ذکر کے بعد بعض ایسے احکام و وقائع بھی درج کر دیئے ہیں جو اس کے نزدیک اس باب کے اشباہ و نظائر (PRECEDENTS) کی حیثیت رکھتے ہیں یا ان پر اپنے فقہی قواعد کی رو سے حکم لگایا ہے۔ اس طرح کے مجموعوں میں عمدہ ترین مجموعہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جسے امام موصوف نے "موطا" کا نام دیا ہے۔

دوسری قسم میں عام فقہی کتب داخل ہیں، جن میں احادیث و آثار کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ صرف فقہی احکام کا ذکر ہے۔ اور مؤلف نے ان احکام کو ابواب و فصول کے ضمن میں اپنے فقہی مسلک کے مطابق بیان کیا ہے۔ اس طرز کی بہترین کتاب المبسوط ہے۔ یہ کتاب اپنے مواد و مطالب کے لحاظ سے بڑی بلند پایہ ہے۔ اور چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اسے امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی نے تالیف کیا ہے۔ امام محمد نے اس میں لاکھوں کی تعداد تک مسائل جمع کر دیئے ہیں۔ ان میں سے ہزاروں مسائل وہ ہیں جن کے جوابات امام ابو حنیفہ نے مستنبط کیے ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں جن میں صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔ کتاب کی تدوین میں مؤلف موصوف نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کسی باب کو جب وہ شروع کرتے ہیں تو سب سے پہلے ان احادیث و آثار کو لاتے ہیں جو اس باب سے متعلق ان کے پاس ہوتے ہیں۔ پھر ان سے مستخرج ہونے والے مسائل بیان کرتے ہیں۔ اور بالعموم باب کا خاتمہ ان مسائل پر کرتے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ نے اختلاف کیا ہے۔ احکام کی علتوں اور توجیہات کے ذکر سے یہ کتاب خالی ہے۔

تیسری قسم کتبِ آثار کی ہے۔ جن میں مختلف مذاہب کے علماء نے اپنے مذہب کے ایسے

تمام آثار جمع کر دیئے گئے ہیں جن سے اس مذہب کے ائمہ نے احکام و فروع میں استدلال کیا ہے امام محمد کی کتاب الآثار اسی نوعیت کی ہے۔ انہوں نے اس میں وہ تمام آثار درج کر دیئے ہیں جن سے ائمۂ احناف استدلال کرتے ہیں۔

چوتھی قسم ان کتابوں کی ہے جن میں مسائل پر علمی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے۔ اور مؤلفین نے ان میں اپنے مخالفین کے مسالک و آراء کا تجزیہ و تحلیل کر کے اُن کی کمزوریوں کو نمایاں کیا ہے اور اپنے مذہب کی صحت و صواب کے وجوہ واضح کیے ہیں۔ امام محمد کی کتاب "الرد علی اہل المدینۃ" اسی طرز کی کتاب ہے۔ یہ انہوں نے اہلِ مدینہ کے رد میں لکھی ہے اور اس میں ان مسائل پر بحث کی ہے جن میں امام ابوحنیفہ نے اہلِ مدینہ کی مخالفت کی ہے! امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "الام" میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور اس کے ہر مسئلہ پر تعقیب کر کے اس میں یا تو اہلِ مدینہ کی تائید کی ہے یا امام ابوحنیفہ کی رائے سے موافقت کی ہے یا دونوں کی تردید کی ہے۔ میری نگاہ میں قانونی نقد و جرح کے موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس کتاب سے قانون کے طالب علم کو نہ صرف مختلف فیہ احکام اور ان پر تنقید کرنے کا اسلوب ہی معلوم ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کتاب اس کے اندر قانونی نکتہ رسی کا ذوق بھی پیدا کر دے گی۔ اور یہ بات فقہ و قانون کی دوسری کسی کتاب سے حاصل نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ہم آپ کے سامنے کتاب کا ایک باب نقل کرتے ہیں جس سے پوری کتاب کا اندازہ معلوم کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اس باب میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ ایک شخص ایک دوسرے شخص کو پکڑ رکھتا ہے اور ایک تیسرا شخص اُسے قتل کر دیتا ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ قانون کی نگاہ میں پکڑ رکھنے والے کی حیثیت کیا ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے بلکہ قاتل کے لیے معاون رہا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ پکڑ رکھنے والے پر قصاص نہیں ہے۔ قصاص صرف قاتل پر ہے۔ البتہ پکڑ رکھنے والے کو اذیت ناک سزا دی جائے گی اور اُسے جیل میں ڈالا جائے...